OPEN ACCESS
JIHĀT-UL-ISLĀM
pISSN: 1998-4472
eISSN: 2521-425X
www.jihat-ul-islam.com.pk

JIHĀT-UL-ISLĀM
Vol: 15, Issue: 01, October –December 2021

ازدواجی معاملات میں استحسان کی تطبیقات عصر حاضر کے تناظر میں

Applications of Istehsān in marital matters In the contemporary context

Minhaj ullah*
Ph.D. Scholar, Department of Islamic Studies, AIOU, Islamabad.

Prof. Dr. Muhiyuddin Hashmi**
Dean, Facuoty of Islamic Studies, AIOU, Islamabad.

Abstract

The family is the basic institution of the society. If the family is prosperous then the society will be prosperous and if the family is in turmoil then there will be lack of peace and tranquility in the society. The development of science and civilization has affected human life, manners, and marital affairs, as well as other areas of human life, which has led to a number of complex issues, in which following the general rules of Shariah is causing trouble and hardship. istihsan is to abandon the general rules and follow a particular argument. This definition of istishan makes it clear that istishān is one of the means to change the fatwa. istihsan is an important principle by the application of which, according to the circumstances, such orders can be deduced which are based on ease as well as in accordance with the spirit of the shariah. This article provides solutions to marital problems by applying istihsan to contemporary issues.

Keywords: *istihsān, application, marital problems, contemporary issues, shariah.*

اسلام میں ازدواجی زندگی کی ترغیب دی گئی ہے یہاں تک کہ نبی کریم ﷺ نے اسے اپنی سنت قرار دیا ہے۔ ازدواجی زندگی سے شریعت کے مقاصد میں جنسی جذبے کا تسکین ، نسل انسانی کی بقا کے لئے اولاد کا حصول ، نسب کی حفاظت، اولاد کی پرورش اور تعلیم وتربیت، معاشرے میں امن وسکون کا قیام وغیرہ ہیں۔ان مقاصد کے حصول کے لئے قرآن وحدیث میں ازواجی زندگی کے مسائل سے متعلق واضح احکامات بیان کئے گئے ہیں نیزان احکامات کو مد نظر رکھ کر فقہائے کرام نے ایسے اصول اور قواعد کا استنباط کیا ہے جس کے

CC BY

ذریعے انہوں نے اپنے دور کے پیش آمدہ مسائل کا حل فراہم کیا ہے۔عصر حاضر میں سائنس اور تمدن کی ترقی انسانی زندگی کے دیگر شعبوں کے ساتھ ساتھ ،انسان کے رہن سہن کے طریقوں ، طرز معاشرت اوراز دواجی معاملات پر بھی اثر انداز ہوئی ہے جس سے کئی ایک ایسے پیچیدہ مسائل پیدا ہوگئے ہیں جن میں شریعت کے عمومی قواعد پر عمل کرنا حرج اور مشقت کا باعث بن رہا ہے۔عمومی قواعد سے خاص دلیل کی طرف عدول استحسان کہلاتا ہے۔

استحسان باب استفعال سے ہے اس کا مادہ حسن ہے تاج العروس میں استحسان کے لغوی معنی ذکر کرتے ہوئے لکھا گیا ہے :

"اسْتَحْسَنهُ، أي: عَدَّهُ حَسَناً "۔[1]

استحسان کسی چیز کو اچھا سمجھنا ہے۔

ابوالحسن کرخیؒ نے استحسان کی اصطلاحی تعریف مندرجہ ذیل الفاظ میں فرمائی ہے :

" أَنْ يَعْدِلَ الْإِنْسَانُ عَنْ أَنْ يَحْكُمَ فِي الْمَسْأَلَةِ بِمِثْلِ مَا حَكَمَ بِهِ فِي نَظَائِرِهَا إِلَى خِلَافِهِ لِوَجْهٍ أَقْوَى يَقْتَضِي الْعُدُولَ عَنْ الْأَوَّلِ"۔[2]

استحسان یہ ہے کہ انسان کسی مسئلہ کے حکم میں اس کے نظائر کے حکم سے ایسے قوی دلیل کی وجہ سے عدول کرے جو کہ پہلے حکم سے عدول کا تقاضا کرتا ہے۔

فقہاء نے استحسان کی درج ذیل اقسام بیان فرمائی ہیں :

استحسان بالنص ، استحسان بقول الصحابی ،استحسان بالاجماع ،استحسان بالقیاس ،استحسان الضرورة ،استحسان بالعرف ،استحسان بالمصلحه ،استحسان بمراعاة الخلاف ۔[3]

زیر نظر مقالہ میں عصری ازدواجی معاملات میں عصری مسائل پر استحسان کا اطلاق کرکے ان کا حل فراہم کیا گیا ہے۔

ازدواجی معاملات میں استحسان کی تطبیقات

نکاح کے لئے عمر کی تحدید

پاکستان کے عائلی قوانین میں نکاح کے لئے لڑکے کی عمر اٹھارہ سال جب کہ لڑکی کی عمر سولہ سال مقرر کی گئی ہے۔یہ تحدید کرنا استحسان کی رو سے جائز ہے۔ جبکہ قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ یہ ناجائز ہو۔قیاس کی پہلی دلیل اللہ تعالیٰ یہ کا ارشاد ہے :

﴿ وَاللَّائِي يَئِسْنَ مِنَ الْمَحِيضِ مِنْ نِسَائِكُمْ إِنِ ارْتَبْتُمْ فَعِدَّتُهُنَّ ثَلَاثَةُ أَشْهُرٍ وَاللَّائِي لَمْ يَحِضْنَ ﴾[4]

اور تمہاری (مطلقہ) عورتیں جو حیض سے ناامید ہوچکی ہوں اگر تم کو (انکی عدت کے بارے میں) شبہ ہو تو ان کی عدت تین مہینے ہے۔اور جن کو ابھی حیض نہیں آنے لگا (انکی عدت بھی یہی ہے)

اس آیت کریمہ میں ان عورتوں کی عدت بھی بیان کی گئی ہے جن کو کم سنی کی وجہ سے حیض نہیں آیا۔عدت کے لئے نکاح کا ہونا ضروری ہے لہٰذا اس سے معلوم ہوا کہ کم سن لڑکیوں کا نکاح بھی جائز ہے۔

دوسری دلیل یہ ہے کہ حضرت عائشہؓ کا نکاح کم سنی میں ہوا تھا:

(عَنْ عَائِشَةَ، «أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَزَوَّجَهَا وَهِيَ بِنْتُ سِتِّ سِنِينَ، وَبَنَى بِهَا وَهِيَ بِنْتُ تِسْعِ سِنِينَ»)[5]

حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے جب مجھ سے نکاح کیا تو اس وقت میں چھ سال کی بچی تھی اور جب مجھ سے خلوت کی گئی تو میری عمر نو سال تھی۔

تیسری دلیل حضرت عبداللہ بن شدادؓ کی روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت ام سلمہؓ سے نکاح کیا ان کے بیٹے سلمہ کا نکاح اللہ کے رسول ﷺ نے حضرت حمزہؓ کی بیٹی سے کروایا لیکن خلوت ہونے سے پہلے ہی وہ دونوں فوت ہوگئے۔[6]

استحسان کے دلیل مصلحت ہے کم عمری کی شادی کے طبّی نقصانات ہیں، بعض اوقات کم سنی کی شادی کے نتیجے میں بچوں کے ساتھ ظلم بھی ہو جاتا ہے جیسے کچھ علاقوں میں ونی کے طور پر کم سن بچیوں کا نکاح کر دیا جاتا ہے۔

دوسری دلیل یہ ہے کہ قرآن وحدیث سے بلوغت کے بعد نکاح کرنے کی ترغیب معلوم ہوتی ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ وَابْتَلُوا الْيَتَامَى حَتَّى إِذَا بَلَغُوا النِّكَاحَ ﴾[7]

اور نکاح کی عمر کو پہنچنے تک ان یتیموں کو جانچتے رہو۔

یہاں اللہ تعالیٰ نے نکاح کے عمر کو پہنچنے کا ذکر کیا ہے، مفسرین متفق ہیں کہ یہاں نکاح کے عمر سے بلوغ مراد ہے، چنانچہ علامہ سیوطیؒ لکھتے ہیں: "صاروا أهلاً له بالاحتلام أو السن"[8] ترجمہ: احتلام یا عمر کی وجہ سے وہ اس (نکاح) کے اہل ہوگئے۔

اسی طرح اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا:

(مَنْ وُلِدَ لَهُ وَلَدٌ فَلْيُحْسِنِ اسْمَهُ وَأَدَبَهُ، فَإِذَا بَلَغَ فَلْيُزَوِّجْهُ فَإِنْ بَلَغَ وَلَمْ يُزَوِّجْهُ فَأَصَابَ إِثْمًا، فَإِنَّمَا إِثْمُهُ عَلَى أَبِيهِ)[9]

جس کے ہاں بچہ پیدا ہو تو وہ اس کا اچھا نام لکھے اس کی بہتر تربیت کرے پھر جب وہ بالغ ہو جائے تو اس کا نکاح کر دے اگر بالغ ہونے پر اس کا نکاح نہیں کیا گیا اور وہ گناہ میں مبتلا ہو گیا تو گناہ اس کے والد کے ذمے ہوگا۔

حدیث مبارکہ میں بالغ ہونے پر نکاح کا حکم دیا گیا ہے۔

بلوغت کی عمر کے بارے میں مختلف اقوال ہیں سرخسیؒ نے امام ابو حنیفہؒ سے لڑکی کے لئے بلوغت کی عمر ۱۷ سال جبکہ لڑکے کے لئے اٹھارہ یا انیس سال نقل فرمائی ہے۔[10]

دوسری دلیل یہ ہے کہ بلوغ سے پہلے نکاح کا کوئی فائدہ ہی نہیں کیوں کہ نکاح کا مقصد قضا شہوت اور نسل کا حصول ہے اور کم سنی ان دونوں کے منافی ہیں۔

تیسری دلیل یہ ہے کہ نابالغوں پر ولایت حاجت اور ضرورت کی وجہ سے ثابت ہے جہاں پر حاجت نہیں ہے وہاں ولایت بھی نہیں ہے جیسے تبرعات میں ولایت کی ضرورت نہیں ہوتی۔[11]

فقہاء میں ابن شبرمہ اس بات کے قائل ہیں کہ بلوغ سے قبل نکاح درست نہیں ہے۔

قیاس تو یہ تھا کہ نکاح کے لئے عمر کی کوئی تحدید نہیں ہونی چاہیئے جس طرح شریعت نے نکاح کے لئے کسی عمر کی تحدید نہیں کی۔ حکومت کی طرف سے نکاح کے لئے عمر کی تحدید کرنا استحسان ہے۔ یہ استحسان بالمصلحۃ ہے عمر کی تحدید میں معاشرے کی مصلحۃ کو مدنظر رکھا گیا ہے کیوں کہ کم عمری کی شادی کے طبّی نقصانات ہیں، بعض اوقات کم سنی کی شادی کے نتیجے میں بچوں کے ساتھ ظلم بھی ہو جاتا ہے جیسے کچھ علاقوں میں ونی کے طور پر کم سن بچیوں کا نکاح کر دیا جاتا ہے نیز کئی ایک خرابیاں ہیں جو کہ کم سنی کی شادی کے نتیجے میں پیدا ہو سکتی ہیں لہٰذا نکاح کے لئے عمر کی تحدید ضروری ہے تاکہ نکاح کے فریقین اپنے ساتھ ظلم ہونے پر آواز اٹھا سکیں۔

لہٰذا اگر حاکم وقت کوئی حد مقرر کرلے تو استحساناً جائز ہے۔

نکاح سے پہلے طبّی معائنہ کی شرط

نکاح سے پہلے طبّی معائنہ سے مراد اس غرض سے معائنہ کرانا ہے کہ کسی فریق میں کوئی ایسا موروثی مرض یا متعدی مرض تو نہیں ہے جس سے فریق ثانی یا ہونے والے بچے متاثر ہو سکتے ہوں۔

فریقین میں سے کسی کی جانب سے دوسرے فریق کے لئے نکاح سے پہلے طبّی معائنہ کی شرط رکھنا استحساناً جائز ہے۔ مجمع الفقہ الاسلامی نے اسے جائز قرار دیا ہے۔[12] قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ ایسی شرط ناجائز ہو، عبداللہ بن بازؒ اس کے ناجائز ہونے کے قائل ہیں۔ فتاوی اسلامیہ میں بھی اسے ناجائز کہا گیا ہے۔[13]

قیاس کی پہلی دلیل یہ ہے کہ طبّی معائنہ کرانا اللہ تعالیٰ پر بدگمانی ہے اللہ تعالی پر حسن ظن رکھنا چاہیئے حدیث قدسی ہے:

(أَنَا عِنْدَ ظَنِّ عَبْدِي بِي)[14]

میں اپنے بندے کے ساتھ ویسا ہی معاملہ کرتا ہوں جیسا وہ میرے بارے میں گمان رکھتا ہے۔

لہٰذا نکاح کرنے والوں کو اللہ پر اعتماد اور توکل کرنا چاہیئے طبّی معائنہ کی ضرورت نہیں۔

دوسری دلیل حدیث مبارکہ ہے رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

(إذا خطب إليكم من ترضون دينه وخلقه فزوجوه)[15]

جب تمہیں کوئی نکاح کا پیغام بھیجے جس کے دین اور اخلاق پر تم راضی ہو تو اس سے نکاح کر دو۔

اس حدیث مبارکہ میں دو ہی چیزیں ذکر کی گئی ہیں دین اور اخلاق۔ آپ ﷺ نے (وصحته) نہیں کہا کہ طبّی معائنہ بھی ہو۔

تیسری دلیل یہ ہے کہ اس معائنہ کے وقت بسا اوقات فریقین کے ستر کا بھی معائنہ ہوتا ہے اور ستر کا کھولنا درست نہیں ہے۔

استحسان کی دلیل یہ ہے کہ قرآن مجید سے نسل صحیح کی طلب کا صحیح ہونا معلوم ہوتا ہے زکریاؑ نے دعا فرمائی:

﴿ رَبِّ هَبْ لِي مِنْ لَدُنْكَ ذُرِّيَّةً طَيِّبَةً ﴾[16]

اے میرے رب مجھے اپنی طرف سے پاکیزہ اولاد عطا فرما۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے مومنوں کی صفت بیان فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ وہ دعا کرتے ہیں:

﴿رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ أَزْوَاجِنَا وَذُرِّيَّاتِنَا قُرَّةَ أَعْيُنٍ وَاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِينَ إِمَامًا﴾[17]

اے رب ہمیں بیویاں اور اولاد فرما جو ہماری آنکھوں کی ٹھنڈک ہو اور ہمیں متقی لوگوں کا پیشوا بنا۔

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے حضرت زکریا اور مومنین کا اولاد کے لئے دعا مانگنے کا ذکر بطور مدح فرمایا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ صحیح نسل کی طلب اور حرص کرنا معیوب نہیں ہے۔

دوسری دلیل یہ ہے کہ آپ ﷺ نے زیادہ بچے جننے والی عورت سے نکاح کرنے کی ترغیب فرمائی ہے [18]

تیسری دلیل وہ احادیث مبارکہ ہیں جن میں اس عورت کو دیکھنے کی اجازت دی گئی ہے جس سے نکاح کرنے کا ارادہ ہو۔ جیسے حضرت ابوھریرہؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے ایک عورت کی طرف نکاح کا پیغام بھیجا تو آپ ﷺ نے اسے فرمایا:

(انْظُرْ إِلَيْهَا فَإِنَّ فِي أَعْيُنِ الْأَنْصَارِ شَيْئًا)[19]

تم اس کو دیکھ لو کیونکہ انصار کی آنکھوں میں کچھ (عیب) پایا ہے۔

چوتھی دلیل وہ احادیث ہیں جن میں مریض کے ساتھ اختلاط سے منع فرمایا گیا ہے آپ ﷺ کا ارشاد ہے:

(لاَ تُورِدُوا الْمُمْرِضَ عَلَى الْمُصِحِّ)[20]

بیمار کو تندرست کے پاس نہ اتارو

ان دلائل سے ثابت ہوتا ہے کہ شادی سے پہلے طبّی معائنہ درست ہے۔ قیاس تو یہ ہے کہ فریقین میں سے کسی کی شادی پہلے طبّی معائنہ کا مطالبہ کرنا درست نہ ہو کیوں کہ یہ نکاح کی شرائط پر اضافہ کرنا ہے۔ لیکن ازدواجی زندگی میں استحکام، اور پیدا ہونے والی نسل کو موروثی بیماریوں سے بچانے کے لئے استحساناً اس کے جواز کا حکم دیا گیا ہے۔ یہ استحسان بالضرورۃ ہے۔ چونکہ یہ جواز ضرورت کے تحت ہے اس لئے طبّی معائنہ میں درج ذیل امور کا خیال رکھنا چاہیئے۔

۱۔ اگر لوگوں کو ضرر لاحق ہونے کا قوی اندیشہ ہو تو یہ طبّی معائنہ حکومت کی طرف سے لازم نہیں ہونا چاہیئے۔

۲۔ ڈاکٹر اور فریقین کے لئے لازم ہے کہ نتائج میں ظاہر ہونے والے عیوب پر پردہ ڈالیں اور کسی فریق کا راز باقی لوگوں پر افشانہ کرے۔

ولی کا لڑکے کو مہر کی مقدار بتائے بغیر نکاح کرانا

آج کل اکثر اولیاء لڑکے کا نکاح کرا دیتے ہیں، جبکہ لڑکے کو یہ تک نہیں بتایا جاتا کہ اس کی بیوی کا مہر کتنا مقرر کیا گیا ہے۔ اس صورت میں نکاح استحساناً درست ہو جائے گا۔ اگرچہ لڑکے نے اسے اپنا وکیل نہ بنایا ہو۔ قیاس تو یہ ہے کہ یہ نکاح لڑکے کی اجازت پر موقوف ہو۔ قیاس کی دلیل یہ ہے لڑکے نے ولی کو اپنا وکیل مقرر نہیں کیا لہٰذا اس کی مثال فضولی جیسی ہو گئی جیسے کہ فضولی کا کیا ہوا نکاح اصیل کی اجازت پر موقوف ہوتا ہے یہ بھی موقوف ہو گا۔ استحسان کی بنا پر درست ہونے کی وجہ عرف ہے، عرف میں اولیاء اپنے قریبی لڑکوں کے نکاح کراتے ہیں اور مہر کی مقدار لڑکے سے پوچھے بغیر اپنی صوابدید پر مقرر کرتے ہیں۔ جو نکاح کرنے والے کو منظور ہوتا ہے۔

مہر لڑکی کے بجائے اس کے والد کے وصول کرنے کا حکم

اگر بالغ لڑکی کا نکاح ہوا اور مقرر ہونے والا مہر لڑکی کے بجائے اس کے والد نے وصول کیا تو لڑکی کو شوہر سے مہر کے مطالبے کا حق نہیں ہو گا اگرچہ اس نے اپنے والد کو مہر وصول کرنے پر وکیل نہیں بنایا۔ یہ استحسان ہے۔

قیاس یہ ہے کہ لڑکی کے لئے شوہر سے مطالبہ کا حق ہو۔

قیاس کی دلیل یہ ہے کہ مہر لڑکی کا حق ہے جو شوہر کے ذمہ دین ہے، مدیون دین سے تب بری ہوتا ہے جب وہ دین مدیون، اس کے وکیل یا ولی کو ادا کرے۔ لڑکی کے والد کا مہر وصول کرنے کی صورت میں لڑکی کا والد نہ اس لڑکی کا ولی ہے اور نہ وکیل۔ ولی اس لئے نہیں ہے کیوں کہ بلوغت کی وجہ سے والد کی ولایت ختم ہوگئی ہے، اور وکیل اس لئے نہیں ہے کہ لڑکی نے اسے مہر وصول کرنے کا وکیل نہیں بنایا۔ لہٰذا اسے مہر سپرد کرنے سے شوہر بری الذمہ نہیں ہوگا۔

استحسان کی دلیل عرف ہے، عرف میں لڑکی کا مہر والد بھی وصول کرتا ہے۔ شوہر نے عرف کے مطابق لڑکی کا مہر اس کے والد کے حوالے کیا تو وہ بری الذمہ ہو جائے گا۔ یہ استحسان بالعرف ہے۔

نکاح کے وقت تعجیل یا تاجیل مہر کا ذکر نہ کرنے پر مہر کا حکم

نکاح کے وقت مہر کی تعجیل یا تاجیل کا ذکر ہی نہ کیا گیا ہو تو مہر معجّل ہوگا۔ اس صورت میں احناف کے نزدیک جب تک شوہر بیوی کو پورا مہر معجّل نہیں دیتا تو عورت شوہر کے ساتھ جماع یا شوہر کے گھر جانے سے انکار کر سکتی ہے اور اس کی مرضی کے بغیر سفر بھی کر سکتی ہے۔ اسی طرح اگر شوہر نے عورت کی مرضی سے دخول یا خلوت صحیحہ کیا بھی ہو تب بھی عورت شوہر کو جماع کرنے، اس کے ساتھ سفر کرنے اور اس کے گھر میں رہنے سے انکار کر سکتی ہے، کیوں کہ مہر بضع کا عوض ہے جیسے ثمن مبیع کا عوض ہوتا ہے۔ بائع کے لئے مبیع کو روکنے کا حق ہے جب تک وہ مبیع کا ثمن وصول نہیں کر لیتا اسی طرح عورت کو بھی یہ حق حاصل ہے کہ وہ مہر کی وصولی تک اپنا نفس روک دے۔

صاحبین فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ عورت نے شوہر کو دخول کی اجازت دے دی تو اب آئندہ کے لئے وہ شوہر کو منع نہیں کر سکتی۔ کیوں کہ جب ایک مرتبہ اس کی رضا سے شوہر نے دخول یا خلوت صحیحہ کر لیا تو اس نے وہ چیز جس پر عقد ہوا تھا شوہر کے حوالے کر دیا تو اب اس کا منع کرنے کا حق ساقط ہو گیا جیسے کہ بائع جب ایک مرتبہ مبیع مشتری کے سپرد کر دیتا ہے تو اس کا حق مبیع سے ساقط ہو جاتا ہے۔ اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ ہر وطی الگ معقود علیہ ہے۔[21]

مالکیہ، شوافع کا قول بھی یہی ہے جو صاحبین کا ہے البتہ حنابلہ فرماتے ہیں کہ اگر عورت کی مرضی سے دخول ہوا ہے تو اس کا حق ساقط ہو جاتا ہے لیکن اگر دخول نہیں ہوا صرف خلوت صحیحہ ہوئی ہے تو اس کا حق ساقط نہیں ہوگا۔[22]

اگر عورت نے مہر مؤجل پر نکاح کیا ہو تو پھر اس کے لئے منع کرنے کا حق نہیں ہے۔ قیاس بھی یہی ہے کہ نکاح کے وقت مہر کی تعجیل یا تاجیل کا ذکر نہ کیا گیا ہو تو مہر معجّل تصور کیا جائے گا۔ قیاس کی دلیل یہ ہے کہ نکاح میں اصل تعجیل ہے۔ لیکن موجودہ زمانے میں ہمارے علاقوں میں مہر کو استحساناً مؤجل تصور کیا جائے گا۔

استحسان کی دلیل عرف ہے ہمارے علاقوں کا عرف یہی ہے کہ نکاح کے وقت مہر کے معجّل یا مؤجل ہونے کا ذکر نہیں کیا جاتا لیکن سارا مہر، مہرِ مؤجل تصور ہوتا ہے، جو اکثر تنازعہ اور طلاق ہی کے وقت مانگا جاتا ہے۔ اس لئے عورت کو کوئی حق حاصل نہیں کہ وہ اس

صورت میں شوہر کو ہمبستری سے منع کرے یا شوہر کے ساتھ رہنے سے انکار کرے۔ مسافتِ قصر سے کم مسافت میں شوہر جہاں چاہے اس کو لے جاسکتا ہے۔ یہ استحسان بالعرف ہے کیوں کہ قاعدہ کو عرف کی وجہ سے ترک کیا گیا ہے۔

جہیز کی اشیاء کی ملکیت کا حکم

شادی کے موقع پر لڑکی کے گھر والوں کی طرف سے جہیز دیا جاتا ہے اس سامان میں جو چیزیں مردوں کے استعمال کی ہیں وہ شوہر کی ہوں گی جو چیزیں خواتین کے استعمال کی ہیں وہ بیوی کی ملکیت ہوں گی اور جو چیزیں عام استعمال کی ہیں جن کو مرد اور خواتین دونوں استعمال کر سکتے ہیں مثلاً گھر کا فرنیچر وغیرہ، وہ استحساناً عورت کی ملکیت شمار ہوں گی۔

قیاس تو یہ تھا کہ وہ شوہر کی ملکیت ہوتیں یا عورت اور مرد دونوں کی مشترکہ ملکیت ہوتیں۔ دونوں کی مشترک اس لئے کہ وہ دونوں کے استعمال کے قابل ہیں۔ شوہر کی ملکیت ہونے کی دلیل یہ ہے کہ حدیث مبارکہ میں فراش کی نسبت مرد کی طرف کی گئی ہے۔

(وَلَكُمْ عَلَيْهِنَّ أَنْ لَا يُوطِئْنَ فُرُشَكُمْ أَحَدًا تَكْرَهُونَهُ)[23]

تمہارا ان پر یہ حق ہے کہ وہ تمہارے بستروں پر کسی ایسے شخص کو نہ آنے دیں جس کا آنا تم کو برا لگتا ہو۔

اس حدیث کی رو سے گھر کا سامان فراہم کرنا مرد کی ذمہ داری ہے لڑکی کے والد نے گھر کا فرنیچر جہیز میں دیا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اس نے مرد کو تحفہ دے کر گھر کا سامان فراہم کرنے میں اس کی مدد کی لہٰذا فرنیچر اس کی ملکیت ہونی چاہیئے۔

لیکن عرف یہ ہے کہ ایسے سامان کو عورت کی ملکیت سمجھا جاتا ہے لہٰذا عرف کی بنا پر قیاس سے عدول کیا گیا۔اس مسئلے میں قیاس کو عرف کی وجہ ترک کیا گیا اس لئے یہ استحسان بالعرف ہے۔

شادی کے موقع پر والدین کی طرف سے بیٹی کو دیئے گئے زیورات کی ملکیت کا حکم

لڑکی کے والدین شادی کے موقع پر کچھ زیورات دیتے ہیں عموماً یہ دیکھا گیا ہے کہ بعد میں شوہر کو ضرورت ہوتی ہے تو وہ بیوی کی رضا مندی سے اس کے زیورات بیچ دیتا ہے جس سے لڑکی کے والدین بعض اوقات ناراض ہو جاتے ہیں اگر اس موقع پر لڑکی کا والد کہے کہ یہ زیورات میں نے لڑکی کو عاریتاً دیئے تھے لہٰذا وہ زیورات میری ملکیت ہیں وہ مجھے واپس کر دیئے جائیں۔ لڑکی کہے کہ آپ نے یہ زیورات مجھے بطور ھبہ دیئے تھے۔

تو قیاس تو یہ ہے کہ لڑکی کے والد کا قول معتبر ہو لیکن استحساناً لڑکی کے قول کا اعتبار کیا جائے گا کیوں کہ عرف یہ ہے کہ شادی کے موقع پر لڑکی کو میکے کی طرف سے جو زیورات ملتے ہیں وہ ھبہ ہوتا ہے نہ کہ اسے عاریتاً دیئے جاتے ہیں۔

شوہر کی رضامندی کے بغیر عدالتی خلع

پر سکون ازدواجی زندگی باہمی محبت اور ایک دوسرے کے حقوق کی ادائیگی سے ہی ممکن ہوتی ہے۔ لیکن بعض اوقات زوجین کے دلوں میں ایک دوسرے کے خلاف نفرت پیدا ہو جاتی ہے اس صورت میں اسلام دونوں کو صبر و تحمل کی تلقین کرتا ہے۔

لیکن بعض اوقات زوجین کے مابین تلخیاں اور نفرت اتنی شدید ہو جاتی ہے کہ اصلاح ناممکن ہو جاتی ہے اور ازدواجی زندگی قائم رکھنے میں فائدہ کے بجائے نقصان ہوتا ہے۔اگر باہمی تعلقات کی خرابی میں قصور بیوی کا ہو تو اسلام شوہر کو حق دیتا ہے کہ وہ طلاق دے کر بیوی سے چھٹکارہ حاصل کرلے اور اگر قصور شوہر کا ہو تو اسلام عورت کو خلع کا حق دیتا ہے۔

خلع کے لفظی معنی نکالنے کے ہیں خلع کے اصطلاحی معنی عورت کی طرف سے دیئے گئے مال کے عوض میں شوہر بیوی سے علیحدگی اختیار کرلے۔

خلع کی مشروعیت قرآن مجید،احادیث مبارکہ سے ہمیں معلوم ہوتی ہے نیز عقل بھی خلع کے مشروع ہونے کا تقاضا کرتی ہے۔

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا فِيمَا افْتَدَتْ بِهِ ﴾(24)

اس میں ان دونوں پر کوئی گناہ نہیں جو کچھ عورت اس کا بدل دے۔

حدیث مبارکہ میں بھی ہمیں خلع کا ذکر ملتا ہے، حضرت عبداللہ بن عباس فرماتے ہیں کہ ثابت بن قیس کی بیوی آپ ﷺ کے پاس آئی اور کہا کہ اللہ کے رسول ﷺ میں ثابت پر اخلاق اور دین کے لحاظ سے کوئی عیب نہیں لگاتی لیکن میں اسلام میں کفر کو ناپسند کرتی ہوں آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم اسے اس کا باغ واپس کرتی ہو؟ تو اس نے کہاں کہ ہاں میں واپس کرتی ہوں تو آپ ﷺ نے ثابت سے فرمایا کہ باغ لے لو اور اسے ایک طلاق دے دو۔(25)

عقل بھی خلع کے جائز ہونے کا تقاضا کرتی ہے بعض اوقات زوجین میں موافقت پیدا نہیں ہوتی اور بیوی شوہر سے اس کی جسمانی عیوب یا بداخلاقی کی وجہ سے نفرت کرتی ہے اور اسے یہ خطرہ ہوتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی مقرر کردہ حدود کو قائم نہیں رکھ سکتی،اس صورت میں دفع ضرر کے لئے اسے حق ہونا چاہیئے کہ وہ مال دے کر شوہر سے خلاصی حاصل کرلے،مال اس لئے کہ شوہر نے جو مہر اس عورت کو دیا ہے وہ اسے واپس مل جائے تاکہ اس کا زیادہ نقصان نہ ہو۔

احناف، شوافع اور حنابلہ کے نزدیک خلع میں شوہر کی اجازت ضروری ہے اگر شوہر خلع پر راضی نہ ہو تو خلع نہیں ہو سکتا۔(26)

دوسری دلیل یہ ہے کہ آپ ﷺ نے حضرت ثابتؓ بن قیس کی بیوی کی درخواست پر ان کا نکاح خود فسخ نہیں کیا بلکہ ان کو خلع کا طریقہ بتایا کہ عورت مہر میں لیا ہوا باغ واپس کردے اور شوہر اسے طلاق دے دے۔یعنی آپ ﷺ کی طرف سے علیحدگی کا کہنا محض ایک مشورہ تھا۔(27)

تیسری دلیل یہ ہے کہ خلع دیگر عقود کی طرح ایک عقد ہے جس میں طرفین کی رضامندی ضروری ہے۔

مالکیہ کے نزدیک خلع میں شوہر کی رضامندی ضروری نہیں ہے،ان کی پہلی دلیل یہ ہے کہ شوہر کو شریعت نے طلاق کا حق دیا ہے کہ جب وہ سمجھے کہ بیوی کے ساتھ رہنا اس کے لئے ناممکن ہوگیا ہے تو وہ طلاق دے کر بیوی سے چھٹکارہ حاصل کرلے جبکہ طلاق کے مقابلے میں شریعت نے عورت کو خلع کا حق دیا ہے کہ جب عورت کے لئے شوہر کے ساتھ نباہ کرنا ناممکن ہو جائے تو وہ خلع کے ذریعے شوہر سے نجات حاصل کرلے۔(28)

دوسری دلیل یہ ہے کہ یہ ایک روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے خود ہی حضرت قیسؓ اور ان کی بیوی میں تفریق کر دیا تھا۔[29]

پاکستانی عدالتوں میں پہلے فقہ حنفی کے مطابق شوہر کی مرضی کو خلع کے لئے ضروری سمجھا جاتا تھا ۱۹۵۹ء میں پہلی بار لاہور ہائی کورٹ کے تین ججوں نے بلقیس فاطمہ بنام نجم الاکرام کے مقدمے میں یہ فیصلہ دیا کہ عدالت تحقیق کرنے کے بعد اگر اس نتیجے پر پہنچتی ہے کہ زوجین اللہ تعالیٰ کی حدود کو قائم نہیں رکھ سکیں گے تو عدالت شوہر کی مرضی کے بغیر خود ہی خلع کا فیصلہ کرے گی۔اس کے بعد ۱۹۶۷ء میں پاکستان سپریم کورٹ کے ججز ایس اے رحمٰن ، جسٹس حمود الرحمٰن اور جسٹس فضل اکبر ، جسٹس ایس اے محمد اور جسٹس محمد یعقوب علی نے خورشید بیگم بنام محمد امین کے مقدمے میں بھی اسی موٗقف کو اپنایا۔اس فیصلے کے بعد ماتحت عدالتوں کے لئے یہ ایک قانون بن گیا کہ شوہر کی مرضی کے بغیر وہ خلع کا حکم جاری کر سکتے ہیں۔[30]

عدالت کا یہ فیصلہ استحسان بالمصلحۃ ہے۔

شوہر کا مفقود الخبر ہونا

مفقود الخبر: اس غائب کو کہتے ہیں جس کا کوئی پتہ نہ ہو، اور نہ اس کی موت و حیات کی کوئی خبر ہو۔

حنفیہ کا مسلک یہ ہے کہ شوہر کے مرنے کا کوئی قرینہ نہ ہو تو عام حالات میں شوہر کی عمر (۱۲۰) ایک سو بیس برس ہونے کے بعد اس کی موت کا فیصلہ کیا جائے گا۔[31]

امام شافعی کا مسلک بھی یہی ہے، کتاب الام میں ہے: "لَا تَعْتَدُّ امرأته وَلَا تَنْكِحُ أبدا حتَّى يأتيها يقينُ وفاته ثُمَّ تَعتدُّ من استيقنت وفاته۔"[32] ترجمہ: جب تک عورت کو شوہر کی وفات کا یقین نہیں ہو تو وہ نہ تو عدت گزارے گی اور نہ ہی نکاح کرے جس دن اسے شوہر کے فوت ہونے کا یقین ہو جائے اس دن سے عدت شروع کرے گی۔

ان کی دلیل یہ حدیث ہے رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

(امْرَأَةُ الْمَفْقُودِ امْرَأَتُهُ حَتَّى يَأْتِيَهَا الْخَبَرُ)[33]

مفقود کی بیوی اس کی بیوی ہی رہی گی جب تک اسے مفقود کی موت کی اطلاع نہیں آتی۔

اگر پہلے شوہر کے لاپتہ ہونے کے بعد عورت نے دوسرا نکاح کیا نکاح کے بعد پہلا شوہر آجائے تو بیوی پہلے شوہر کی ہو گی۔ حضرت علیؓ سے یہی منقول ہے[34]۔اس کی وجہ یہ ہے کہ جب تک مفقود کے موت کی کوئی دلیل نہ ہو دوسرا نکاح درست ہی نہیں ہے۔

احناف کا اصل مذہب اگرچہ یہی تھا لیکن آج کل کے حالات کی مناسبت سے ضرورت کی بنا پر مالکیہ کے قول پر فتویٰ دیا جاتا ہے۔ فتاویٰ محمودیہ میں ہے کہ احناف نے مفقود کے مسئلہ میں ضرورت کی وجہ سے مالکیہ کے قول پر فتویٰ دیا ہے۔[35]

مالکیہ فرماتے ہیں کہ جس عورت کا شوہر غائب ہو جائے تو وہ عدالت میں کیس دائر کرے گی اگر اس کے نفقہ کا انتظام ہو تو عدالت سے اسے چار سال کی مہلت دی جائے گی۔[36]

اس دلیل موطاء امام مالک کی یہ روایت ہے: "عمر بن خطاب نے کہا جس عورت کا شوہر گم ہو جائے اور اس کا پتہ معلوم نہ ہو کہ کہاں ہے تو وہ عورت چار برس انتظار کرے چار برس کے بعد چار مہینے دس دن عدت گزار کر حلال ہو جائے۔ امام مالک نے فرمایا کہ اگر عورت نے عدت ختم ہونے کے دوسرا نکاح کر لیا تو پھر پہلے خاوند کو اختیار نہ رہے گا۔ خواہ خاوند نے اس سے صحبت کی ہو یا نہ کی ہو۔(37)

اس مسئلہ میں قیاس کا تقاضا تو یہ ہے کہ جب تک شوہر کی موت کی یقینی خبر نہیں آتی اس وقت تک عورت کے لئے دوسری جگہ نکاح کی اجازت نہ ہو کیوں کہ جب تک شوہر کے موت کی کوئی دلیل نہیں ہے تو نکاح برقرار رہے گا اور کسی کی منکوحہ کے ساتھ نکاح کرنا درست نہیں ہے۔

لیکن عورت کو ضرر سے بچانے کے لئے استحساناً مالکیہ کے مسلک پر عمل کیا جاتا ہے۔ یہ استحسان بمراعاۃ الخلاف کہلاتا ہے۔

شوہر کا اپنی بیوی سے روپوش ہو جانے پر تفریق کا حکم

شوہر اپنی بیوی سے روپوش ہو جائے اور یہ معلوم ہو کہ شوہر زندہ ہے لیکن وہ واپس گھر نہیں آتا اور نہ بیوی کو اپنے پاس بلاتا ہے جس کی وجہ سے عورت کو ضرر ہو رہا ہو اور اس کے گناہ میں مبتلا ہونے کا اندیشہ ہو تو کیا اس صورت میں عورت شوہر سے تفریق کا مطالبہ کر سکتی ہے یا نہیں ؟اس مسئلہ میں فقہاء کی دو آراء ہیں۔ احناف اور شوافع کے نزدیک بیوی کو شوہر کے غائب ہونے کی وجہ سے تفریق کا حق حاصل نہیں ہے چاہے وہ طویل عرصہ سے غائب کیوں نہ ہو۔ کیوں کہ تفریق کے لئے دلیل شرعی کی ضرورت ہوتی ہے اور غائب ہونا تفریق کا سبب نہیں ہے۔ البتہ اگر شوہر کا مقام معلوم ہو تو اسے نفقہ دینے پر مجبور کیا جائے گا کہ وہ عورت کے لئے نفقہ بھیجتا رہے
۔

مالکیہ فرماتے ہیں کہ اگر شوہر طویل عرصہ سے غائب ہو تو عورت کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ تفریق کا مطالبہ کرے اگرچہ شوہر نے اس کے نفقہ کے لئے اس کے پاس مال چھوڑا ہو۔ کیوں کہ طویل عرصہ کے لئے شوہر کے غائب ہونے سے عورت کا ضرر ہے اور ضرر کا دفع کرنا ضروری ہے آپ ﷺ کا ارشاد ہے:

(لا ضرر ولا ضرار)(38)

ضرر نہیں دیا جائے گا۔

حنابلہ فرماتے ہیں کہ اگر شوہر کا غائب ہونا عذر کی بنا پر ہو تو پھر عورت کو تفریق کا حق حاصل نہیں ہے۔

غائب ہونے کے عرصہ میں بھی مالکیہ اور حنابلہ کا اختلاف ہے حنابلہ کے نزدیک چھ مہینے طویل عرصہ شمار ہو گا جبکہ مالکیہ سے دو روایات منقول ہیں ایک روایت میں ہے کہ شوہر ایک سال تک غائب رہے تو عورت تفریق کا مطالبہ کر سکتی ہے جبکہ دوسری روایت میں تین سال کا عرصہ مذکور ہے۔(39)

اس مسئلہ میں قیاس یہ ہے کہ عورت کو تفریق کے مطالبہ کا حق حاصل نہ ہو کیوں کہ شوہر کا غائب ہونا تفریق کا سبب نہیں ہے۔ لیکن عورت کو ضرر سے بچانے کے لئے اس مسئلہ میں استحساناً مالکیہ اور حنابلہ کے مسلک پر عمل کر کے عورت کو تفریق کا حق دیا جاتا ہے۔ یہ استحسان بمراعاۃ الخلاف ہے۔

غیر مسلم جج کا مسلمان زوجین کے فسخ نکاح کا حکم

عورت کو طلاق کو حق چند صورتوں میں ملتا ہے

۱۔ جب عقد کے دوران عورت شرط رکھے کہ اسے طلاق کا حق حاصل ہوگا اور شوہر مان لے

۲۔ نکاح کے بعد شوہر عورت کو طلاق کا حق دے دے

۳۔ عورت شوہر میں کسی ایسے عیب کی وجہ سے قاضی سے تفریق کا مطالبہ کر سکتی ہے جس کی وجہ سے اسے شوہر کے ساتھ رہنے میں نا قابل برداشت ضرر کا اندیشہ ہو۔ (40)

لیکن اگر میاں بیوی کسی ایسے ملک میں مقیم ہوں جہاں کے جج غیر مسلم ہیں تو کیا اس جج کا عورت کے فسخ نکاح کے فیصلے سے شرعا نکاح فسخ ہو جائے گا یا نہیں۔ قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ غیر مسلم جج کا ایک مسلمان کے فسخ نکاح کا فیصلہ لاگو نہیں ہوگا، لیکن استحسان کی رو سے یہ فیصلہ نافذ ہو جائے گا اور نکاح فسخ ہو جائے گا۔

قیاس کی دلیل یہ ہے کہ تمام فقہاء نے قاضی کے لئے اسلام کی شرط ذکر فرمائی ہے۔ماوردی فرماتے ہیں اس کی ایک وجہ تو یہ ہے شہادت کے جواز کے لئے اسلام شرط ہے۔ ابن عابدین فرماتے ہیں کہ اس قضا کا اہل وہی ہے جو شہادت کا اھل ہے۔ شہادت کی شرائط میں آپؒ نے اسلام کا بھی ذکر فرمایا ہے۔ (41) غیر مسلم کے قاضی نہ سکنے کی وجہ اللہ تعالیٰ کے درج ذیل ارشادات ہیں

﴿ وَلَنْ يَجْعَلَ اللَّهُ لِلْكَافِرِينَ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ سَبِيلًا ﴾ (42)

اور خدا کافروں کو مومنوں پر ہرگز غلبہ نہیں دے گا۔

اسی طرح حدیث مبارکہ ہے:

(إن الله هو الحَكَمُ، وإليه الحُكْمُ) (43)

اللہ ہی فیصلہ کرنے والا ہے اور اسی کے لئے حکم ہے۔

اجماع کی رو سے بھی غیر مسلم جج نہیں بن سکتا۔ (44)

ان دلائل سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ غیر مسلم جج سے فیصلہ کروانا ناجائز ہے اس کا فیصلہ نافذ نہیں ہوگا۔لہٰذا اگر کہیں مسلم جج نہ ہو تو پھر مالکی مسلک پر عمل کرتے ہوئے علماء سے فیصلہ کروانا چاہیئے۔ فقہ النوازل میں ہے کہ اہل علم نے ذکر کیا ہے کہ جب شرعی بادشاہ سے کوئی وقت خالی ہو جائے تو لوگوں کے امور علماء کے سپرد ہوں گے اور علماء لوگوں کے اولیاء بن جائیں گے۔ (45)

علماء سے فیصلہ کروانا استحسان بمراعاۃ الخلاف ہے کیوں کہ احناف کے نزدیک سلطان ہی فیصلہ کرے گا۔

البتہ اگر کہیں علماء سے فیصلہ کروانا ممکن نہ ہو یا علماء کا فیصلہ فریقین میں سے کسی کے لئے قابل قبول نہ ہو تو پھر ضرورت کی بناپر مجبوراً دفع ضرر کے لئے غیر مسلم جج سے فیصلہ کرنا درست ہوگا۔[46] ضرورت کی بناپر جواز کے ان آیات وآحادیث سے ثابت ہوتا ہے جن میں بقدر استطاعت اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کا حکم ہے۔[47] مجمع فقہ الاسلامی کی سلمان رشدی کے بارے میں پیش کئے گئے قرارداد سے بھی یہ واضح ہوتا ہے کہ مسلمان انصاف کے حصول کے لئے غیر مسلم جج کی عدالت میں مقدمہ دائر کرسکتا ہے۔جس میں لکھا ہے کہ OIC کو چاہیئے کہ وہ برطانیہ کی عدالت میں سلمان رشدی کے خلاف مقدمہ دائر کرے۔[48] چونکہ یہ اجازت ضرورت کی بناپر ہے لہٰذا اس میں اس بات کا لحاظ ضروری ہے کسی اور ذریعہ سے حق کی وصولی ممکن نہ ہو۔تاکہ ضرورت متحقق ہو۔

یہ استحسان بالضرورہ ہے قاعدہ اور قیاس تو یہی ہے کہ غیر مسلم کسی مسلمان کا فیصلہ نہیں کرسکتا۔لیکن ضرورت کی بناپر اس قاعدہ سے عدول کیا گیا۔

مسلم اقلیتی ممالک میں عورت کے اسلام قبول کرنے پر تفریق کا حکم

مسلم اقلیتی ممالک میں عورت مسلمان ہو جائے اور اس کا شوہر اسلام قبول نہ کرے تو ان کے مابین تفریق کے سلسلے میں کئی اقوال ہیں ۔امام ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں کہ اگر دارالاسلام میں زوجین میں سے کوئی اسلام قبول کرلے تو دوسرے پر اسلام پیش کیا جائے گا اگر اس نے اسلام قبول کرلیا تو نکاح برقرار رہے گا اور اگر اس نے انکار کیا تو ان کے مابین فوری طور پر تفریق ہو جائے گی۔اس کی دلیل یہ ہے کہ بنو تغلب کا ایک آدمی مسلمان ہو گیا تو حضرت عمرؓ نے اس پر اسلام پیش کیا اس نے انکار کیا تو آپؓ نے ان میں تفریق کردی۔

اور اگر وہ دارالحرب میں ہیں تو عدت کے ختم ہونے کا انتظار کیا جائے گا،عدت کے خاتمے تک دوسرا مسلمان نہ ہوا تو تفریق ہو جائے گی ۔کیوں کہ اس پر قاضی کی طرف سے اسلام کا پیش کرنا ممکن نہیں ہے اور ہو سکتا ہے کہ اگر اسلام پیش ہوتا تو وہ اسلام قبول کرلیتا لہٰذا اسلام کو طلاق رجعی متصور کرکے عدت کی مدت تک کا موقع دیا گیا۔[49]

امام مالکؒ کا قول یہ ہے کہ اگر عورت قبل الدخول مسلمان ہوگئی تو فوراً تفریق ہو جائے گی اور اگر دخول ہو گیا ہو تو اس صورت میں اگر عدت کے دوران شوہر نے اسلام قبول کیا تو ان کا نکاح برقرار رہے گا اور اگر اس نے اسلام قبول نہیں کیا تو عدت گزرنے کے بعد ان میں تفریق ہو جائے گی۔اور اگر شوہر مسلمان ہو گیا تو عورت پر اسلام پیش کیا جائے گا اگر وہ اسلام لے آئی تو نکاح برقرار رہے گا اور اگر اس نے اسلام قبول کرنے سے انکار کیا تو فوراً تفریق واقع ہو جائے گی دخول سے پہلے ہو یا بعد میں۔[50]

اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے :

﴿وَلَا تُمْسِكُوا بِعِصَمِ الْكَوَافِرِ﴾ [51]

کافر عورتوں کی عصمت کو نہ روکو۔

ابن شبرمہ کا قول اس کے بالکل مخالف ہے وہ فرماتے ہیں عورت کے اسلام لانے سے فوراً تفریق ہو گی جب کہ شوہر کے ایمان لانے پر عدت تک کی مہلت ہو گی اگر عدت کے اندر عورت نے اسلام قبول کیا تو نکاح ان کا بحال رہے گا۔[52] امام شافعیؒ اور امام احمدؒ کا قول یہ

ہے کہ زوجین میں سے کوئی بھی اسلام لے آئے دخول ہونے کی صورت میں دوسرے کے پاس عدت کے گزرنے تک کا وقت ہے،اگر وہ ایمان لے آئے تو نکاح برقرار رہے گا۔اور اگر دخول نہیں ہوا تو دوسرے پر اسلام پیش کیا جائے گا اگر وہ انکار کرے تو فوراً تفریق ہو جائے گی اور امام زہریؒ فرماتے ہیں کہ بیوی کے اسلام لانے پر جب تک سلطان تفریق نہ کرے ان کا نکاح باقی رہے گا۔(53)

ابن تیمیہ اور ابن قیم فرماتے ہیں کہ عورت کے مسلمان ہونے پر عورت کو اختیار دیا جائے گا اگر چاہے تو دوسرے مرد سے نکاح کر چاہے تو اسی مرد کے اسلام لانے کا انتظار کرے۔ شوہر کے اسلام لانے تک اس کے لئے شوہر سے ازدواجی تعلق قائم کرنا جائز نہیں۔ ان کی دلیل حضرت عمرؓ کا فیصلہ ہے کہ ایک نصرانی کی بیوی نے اسلام قبول کیا تو آپؓ نے اس کو اختیار دیا۔(54)

یوسف القرضاوی فرماتے ہیں کہ اقلیتی ممالک میں اگر کوئی عورت مسلمان ہو جائے تو اسے اختیار دیا جائے گا کہ وہ دوسرا نکاح کرے یا پہلے شوہر کے ساتھ رہے جس نے ابھی تک اسلام قبول نہیں کیا۔

ان ایک دلیل یہ ہے کہ ایک عیسائی ہانی بن قبیصہ شیبانی کی چار بیویاں تھیں وہ ساری مسلمان ہو گئیں تو حضرت عمرؓ نے انہیں اس کے پاس ہی رہنے کا حکم دیا۔اسی واقعہ کے بارے میں دوسری روایت یہ ہے کہ حضرت عمرؓ نے ان عورتوں کو اختیار دینے کا حکم فرمایا تھا۔ دوسری دلیل حضرت علیؓ کا یہ قول ہے کہ جب تک شوہر اسے اس کے شہر سے نہ نکالے شوہر اس کی شرمگاہ کا زیادہ حقدار ہے۔(55)

مندرجہ بالا بحث سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ غیر مسلم زوجین میں عورت اگر شوہر سے پہلے مسلمان ہو جائے تو ان کی تفریق ایک اختلافی مسئلہ ہے اجماعی نہیں ہے۔ اگر ان کا اسلام لانا دارالاسلام میں ہو تو اس سے متعلق فیصلے کا اختیار حکومت وقت کے پاس ہونا چاہیئے حضرت عمرؓ نے مختلف فیصلے دیئے ہیں کبھی اسلام نہ لانے والے پر اسلام پیش کیا ہے اور انکار کی صورت میں تفریق فرمائی ہے، کبھی زوجہ کو اختیار دیا ہے کہ وہ شوہر کے ساتھ رہے یا علیحدہ ہو اور کبھی عورت کو شوہر کے اسلام لانے تک انتظار کا کہا ہے۔

موجودہ حالات میں یوسف القرضاوی کا فتویٰ ہی مناسب ہے ان کا یہ قول استحسان پر مبنی ہے استحسان کی وجہ عورت کی مصلحت ہے عورت کی مصلحت اسی میں ہے کہ اسے اختیار دیا جائے،اگر وہ سمجھتی ہے کہ شوہر کے ساتھ رہنے میں اس کے دین کو کوئی خطرہ نہیں یا اسے امید ہو کہ شوہر اسلام قبول کر لے گا یا یہ سمجھتی ہے کہ اپنے بچوں سے اگر وہ علیحدہ ہو جاتی ہے تو بچے بھی والد کے زیر اثر کافر بڑے ہوں گے۔تو وہ شوہر کے ساتھ رہ سکتی ہے۔نیز اس قول کے اختیار کرنے میں اسلام کی طرف لوگوں کی رغبت بڑے گی کیوں کہ اس قول کے نتیجے میں ان کو شوہر کی محبت اور اولاد کو چھوڑنے کی قربانی نہیں دینی پڑے گی۔موجودہ دور میں ان ممالک کے لوگوں کے لئے جہاں مسلمان اقلیت میں ہیں اس قول پر عمل کرنا زیادہ مناسب اور مقاصد شریعت سے ہم آہنگ ہے۔یہ استحسان بالمصلحہ ہے۔

خلاصہ

قیاس اور عمومی قواعد پر عمل کرنے سے جب حرج پیدا ہوتا ہو یا شریعت کے مقاصد حاصل نہ ہوتے ہوں تو رفع حرج اور مقاصد شریعت کے حصول کے لئے عام قاعدہ یا قیاس سے عدول کیا جاتا ہے۔اس عدول کو فقہ کی اصطلاح میں استحسان کہا جاتا ہے۔ ازدواجی معاملات میں کئی ایک ایسے مسائل ہیں جن میں عمومی قواعد کے اطلاق سے مقاصد شریعت پر زد پڑنے کے ساتھ ساتھ لوگ حرج میں مبتلا ہوتے ہیں۔ان مسائل میں نکاح کے لئے عمر کی تحدید،نکاح سے پہلے طبّی معائنہ کی شرط،غیر مسلم جج کے فسخ نکاح کا

فیصلہ ،اقلیتی ممالک میں عورت کے قبول اسلام پر تفریق ،اور مہر اور خلع سے متعلق مختلف مسائل شامل ہیں۔ان مسائل میں عمومی قواعد کے بجائے استحسان کا اطلاق کرنے سے ایسا حل سامنے آتا ہے جو لوگوں کے لئے یسر اور آسانی پر مبنی ہے اور مقاصد شریعت کے عین مطابق ہے۔

References

[1]۔الزبیدي، مرتضیٰ، محمد بن محمد،تاج العروس من جواهر القاموس،دار الهدایہ، س ن،423/34۔

[2]۔عبد العزیز بن احمد،البخاری، کشف الاسرار شرح اصول البزدوی،دار الکتب الاسلامی، س ن،3/4۔

[3]۔استحسان کی اقسام کے لئے دیکھیئے:العینی، محمود بن احمد،بدر الدین۔البنایۃ شرح الهدایہ۔بیروت: دار الکتب العلمیۃ،2000ء،489/3۔

ابن العربی، محمد بن عبد اللہ،ابو بکر۔المحصول فی اصول الفقہ۔عمان: دار البیارق،1999ء،ص131۔

الشاطبیؒ،ابراھیم بن موسیٰ۔الاعتصام۔سعودیہ: دار ابن جوزی للنشر والتوزیع،2008ء،465/2۔

ابو یعلی، محمد بن الحسین،القاضی۔العدۃ فی اصول الفقہ۔بدون ناشر،1990ء،1608/5۔

[4]۔الطلاق4:64۔

[5]۔البخاري، محمد بن اسماعیل،الجامع الصحیح،بیروت: دار طوق النجاۃ،1422ھ،کتاب النکاح، باب انکاح الرجل ولدہ الصغار،17/7۔

[6]۔الجصاص،احمد بن علي،ابو بکر الرازي۔أحکام القرآن۔بیروت: دار الکتب العلمیۃ،1994ھ،344/2۔

[7]۔النساء،4:4۔

[8]۔السیوطي، جلال الدین۔تفسیر الجلالین۔القاھرۃ: دار الحدیث، ت ن، ص99۔

[9]۔البیھقی،احمد بن الحسین۔شعب الإیمان۔ریاض مکتبۃ الرشد،2003ء، باب حقوق الاولاد والاھلین،137/1۔

[10]۔السرخسي،المبسوط،53/6۔

[11]۔السرخسي، محمد بن احمد، شمس الائمۃ۔المبسوط۔بیروت: دار المعرفۃ،1993ء،212/4۔

[12]۔مجلۃ مجمع الفقہ الاسلامی،مکۃ: رابطۃ عالم الاسلامی،2004م،عدد17، ص305۔

[13]۔محمد بن عبد العزیز بن عبد اللہ المسند۔فتاوی اسلامیہ۔ریاض: دار الوطن للنشر،124/3۔

[14]۔البخاری،الجامع الصحیح، کتاب التوحید، باب قول اللہ تعالیٰ {وَيُحَذِّرُكُمُ اللّٰهُ نَفْسَهُ}،121/9۔

[15]۔الترمذي، محمد بن عیسي۔سنن الترمذي۔بیروت: دار الغرب الاسلامی،1998م،ابواب النکاح عن رسول اللہ ﷺ، باب ما جاء اذا جاء کم من ترضون دینہ فزوجوہ،386/3۔

[16]۔آل عمران،38:3۔

17ـ الفرقان، 74:25ـ

18ـ النسائی، ابو عبد الرحمٰن احمد بن شعیب۔ سنن نسائی، المجتبیٰ من السنن۔ حلب مکتب المطبوعات الاسلامیۃ، 1986ء، کتاب النکاح، باب کراھیہ تزویج العقیم، 65/6ـ

19ـ النسائیؒ، سنن النسائی، کتاب النکاح، باذا استشار رجل رجلا فی المرأۃ، ھل یخبرہ بما یعلم، 77/6ـ

20ـ البخاری، الجامع الصحیح، کتاب الطب، باب لاعدوی، 139/7ـ

21ـ المرغینانی، علی بن ابو بکر۔ الھدایہ شرح بدایۃ المبتدی۔ بیروت: داراحیام التراث العربی، ت ن، 206/1ـ

22ـ ابن قدامہ المقدسی، موفق الدین، ابو محمد، عبداللہ بن احمد۔ المغنی۔ القاھرۃ: مکتبۃ القاھرۃ، 1968ء، 261/7ـ

23ـ القشیری مسلم بن حجاج، الجامع الصحیح، بیروت: : داراحیاء التراث العربی، ت ن، کتاب الحج، باب حجۃ النبی ﷺ، 886/2ـ

24ـ البقرۃ، 229:2ـ

25ـ البخاری، الجامع الصحیح، کتاب الطلاق، باب الخلع وکیف الطلاق فیہ، 47/7ـ

26ـ السرخسی، المبسوط، 173/6ـ ابن حزم، ابو محمد علی بن احمد۔ المحلیٰ بالآثار۔ بیروت: دار الفکر، 533/10ـ

27ـ الجصاص، احکام القرآن، 478/1ـ

28ـ ابن رشد، محمد بن احمد۔ بدایۃ المجتہد ونھایۃ المقتصد۔ القاھرۃ: دار الحدیث، 2004ء، 90/3ـ

29ـ احمد بن محمد بن حنبل۔ مسند احمد۔ بیروت: موسسۃ الرسالۃ، 2001، ط اول، 17/26، 18ـ

30ـ دیکھیے محمد منیر، ڈاکٹر۔ اسلامی شریعت اور پاکستانی قانون میں خلع کی حیثیت۔ اسلام آباد ادارہ تحقیقات اسلامی، ص50 تا 55ـ

31ـ القدوری، احمد بن محمد، ابو الحسن، مختصر القدوری، بیروت: دار الکتب العلمیۃ، 1997ء، ص138ـ

32ـ الشافعی، محمد بن ادریس، کتاب الام، بیروت: دار المعرفۃ، 1990ء، 255/5ـ

33ـ الدار قطنی، ابو الحسن علی بن عمر۔ سنن الدار قطنی۔ بیروت: مؤسسۃ الرسالۃ، 2004م، کتاب النکاح، باب المھر، 483/4ـ

34ـ البیھقی، احمد بن الحسین۔ السنن الکبریٰ۔ بیروت: دار الکتب العلمیۃ، 2003ء، جماع ابواب عدۃ المدخول بھا، باب من قال امرأۃ المفقود امرأتہ حتی یاتیھا یقین وفاتہ، 731/7ـ

35ـ محمود حسن، گنگوہی، مفتی۔ فتاوی محمودیہ۔ کراچی دار الافتا، جامعہ فاروقیہ، 313/13ـ

36ـ ایضاً، ص132ـ

37ـ مالک بن انس، الاصبحی۔ الموطا۔ مؤسسۃ زاید بن سلطان آل نھیان، ابوظبی، طبع اول، 2004، کتاب الطلاق، باب ماجاء فی عدۃ التی تفقد زوجھا، 828/4ـ

38ـ ابن الاثیر، مجد الدین، المبارک بن محمد۔ النھایۃ فی غریب الحدیث والأثر۔ بیروت: المکتبۃ العلمیۃ، 1979ء، 81/3ـ

39ـ الزحیلی، الفقہ الاسلامی وأدلتہ، 9، 7066/ـ

40۔ محمد یسري إبراهيم۔ فقه النوازل للأقليات المسلمة۔ القاهرة: دار اليسر، 2013، 2/1046۔

41۔ دیکھیئے الماوردی، ابوالحسن علی بن محمد۔ الأحكام السلطانية۔ القاهرة: دار الحديث، ت ن، ص 111۔ رد المحتار، 5/354، 429۔

42۔ النساء، 4:141۔

43۔ ابوداؤد، سلیمان بن اشعث۔ سنن ابي داود۔ بیروت: مکتبة العصرية،، س ن۔، کتاب الادب، باب في تغيير الاسم القبيح، 4/289۔

44۔ ابن حزم، الظاهری، علی بن احمد، ابو محمد۔ الاحکام فی اصول الاحکام۔ بیروت: دار الآفاق جدیده، 5/173۔

ابن القیم، الجوزیة، محمد بن ابي بكر۔ احكام اهل الذمة۔ الدمام: رمادي للنشر، 1997ء، 1/533.

45۔ یسري، فقه النوازل للأقليات المسلمة، 2/1052۔

46۔ ایضاً۔

47۔ دیکھیے التغابن، 64:16۔ اور البخاری، الجامع الصحیح، کتاب الاعتصام بالکتاب والسنة، باب الاقتداء بسنن رسول الله ﷺ، 9/94۔

48۔ مکہ فقہ اکیڈمی کے فقہی فیصلے 1977ء تا 2006، مترجم ڈاکٹر مفتی فہیم اختر ندوی، نئی دہلی ایفا پبلیکیشنز، ص 309۔

49۔ المرغيناني، الهداية في شرح بداية المبتدي، 1/213، 214۔

50۔ ابن رشد، بداية المجتهد ونهاية المقتصد، 3/72۔

51۔ الممتحنة، 60:10۔

52۔ ابن القیم، احکام اهل الذمة۔ 2/645۔

53۔ دیکھیئے المغني لابن قدامة، 7/152 تا 154۔

54۔ ابن القیم، أحكام أهل الذمة، 2/646۔

55۔ القرضاوي، یوسف، الدكتور۔ في فقه الاقليات المسلمة۔ القاهره: دار الشروق، ت ن، ص 125۔